Academic Discipline for Quranic Higher Education

تخصص علوم وحکمت قرآن کے لیے مقررہ نصاب کے مطابق

اصطلاحات قرآن



الاستاذ: ابوالفضل نور احمد سندھی

ناشر

جامع مسجد ربانی، ہائی وے کالونی، سیکٹر C-18، اسکیم-33، نزد جمالی پُل، M-9 موٹروے، کراچی

فون: 0313-2707097

www.hikmatequran.org hikmatequran@gmail.com Hikmat-e-Quran Institute

شَفْعٌ کے معنی کسی چیز کو اس جیسی دوسری چیز کے ساتھ ملا دینے اور ضم کر دینے کے ہیں۔ اَلشَّفَاعَةُ کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد یا سفارش کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ عام طور پر کسی بڑے کا اپنے سے کم تر کے ساتھ اس کی مدد کے لیے شامل ہو جانے پر بولا جاتا ہے۔ (مفردات راغب اصفہانی) شَفَاعَةٌ کے معنی دوسرے کے ساتھ اس کی مدد کرتے ہوئے یا اس کی خبر گیری کرتے ہوئے مل جانے کے ہیں۔ (تاج العروس) نیز اس کے معنی دعا کرنے کے بھی آتے ہیں۔ (تاج العروس) نَاقَةٌ شَافِعٌ وہ اونٹنی جس کا ایک بچہ اس کے پیچھے لگا ہو اور دوسرا پیٹ میں ہو۔ نَاقَةٌ شَفُوْعٌ وہ اونٹنی جو ایک مرتبہ دودھ دوہنے میں دونوں وقت کا دودھ اکٹھا دے دے۔ (تاج العروس) شَفَاعَةٌ کے معنی سفارش اس لیے ہو گئے کہ اس میں ایک شخص دوسرے شخص کی معاونت کے لیے اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اس کے حق میں سفارش کرتا ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے واضح بتایا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں یا مرنے کے بعد دوسرے مددگاروں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کا یقین یا عقیدہ رکھتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں۔ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ (المدثر: ۴۸) ”تو اس حالت میں سفارش کرنے والوں کی شفاعت بھی ان کو فائدہ نہ دے گی“ یعنی جن کو یہ اللہ تعالیٰ کے سوا، ساتھ کھڑا ہونے کے لیے پکارتے ہیں وہ ان کے ساتھ کھڑے نہیں ہو سکیں گے۔

شفاعت کا لفظ قرآن حکیم نے تین معناؤں میں استعمال کیا ہے۔ ایک مددگار و کارساز۔ اس معنی میں کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات میں اکیلے ہی يُدَبِّرُ الْاَمْرُ ہیں اس کے ساتھ کوئی شفیع یعنی مددگار نہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ (یونس: ۳) ”پھر اپنے تخت حکومت پر متمکن

ہو گیا وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی اور فرمانروائی بھی صرف اسی کی ہوئی) اس کا اذن لیے بغیر کوئی بھی تدبیر امر میں اس کا شفیع نہیں بن سکتا۔"

یہاں صاف طور پر واضح ہے کہ وہ اکیلا ہی ہر کام کی تدبیر کر رہا ہے اور نظام کائنات کے چلانے میں کوئی اس کا ساجھی یا مددگار نہیں ہے۔ ہاں جب وہ امور کی تدبیر و تقسیم کرنے والے فرشتوں کو اجازت دیتا ہے تو وہ اس کی اجازت سے تدبیر امر کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۵ جس کو آیۃ الکرسی کا نام ملا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات حی و قیوم، علیم و محیط، حفیظ و علیٌّ و عظیم کے ساتھ اس کائنات میں اس کے تدبیر امر کی کارفرمائی کا بیان ہے۔ آیئے اس کی معنی پر ایک نظر ڈالتے ہیں: "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ الحی ہے (یعنی زندہ ہے اور اس کی زندگی کے لیے فنا و زوال نہیں) القیوم ہے (یعنی ہر چیز اس کے حکم سے قائم ہے وہ اپنے قیام کے لیے کسی کا محتاج نہیں) اس (کی آنکھ) کے لیے نہ تو اونگھ ہے (نہ دماغ کے لیے) نیند۔ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے اور اسی کے حکم سے ہے۔ (یہ نظام کائنات چلانے میں اس کا کوئی ساجھی نہیں) کون ہے جو اس کا اذن لیے بغیر (اس کے کاموں میں) اس کا شفیع مددگار بن جائے؟ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ط جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دے دے۔ اس کا تخت (حکومت) آسمان و زمین کے تمام پھیلاؤ پر چھایا ہوا ہے۔ اور اس کی نگرانی و حفاظت میں اس کے لیے کوئی تھکاوٹ نہیں، اس کی ذات بڑی ہی بلند مرتبہ ہے۔"

اب اس آیۃ الکرسی میں اللہ تعالیٰ کی کائنات میں تدبیر امر اور کمال و قدرت کا جس انداز میں بیان ہے اس سیاق و سباق میں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ کے معنی کیا بنتے ہیں اور عام

طور پر تراجم و تفاسیر میں اس کو جو قیامت کے دن ہونے والی شفاعت کے معنی پہنائے گئے ہیں وہ معنی کتنی غیر حقیقت پر مبنی ہیں۔ اصل میں اصنام پرستی کے دور کی کچھ بقایاجات بعد کو منتقل ہوئی ہیں ان میں ایک شَفِیْعٌ کی اصطلاح بھی ہے۔ کفار و مشرکین اپنی شخصیت پرستی، اصنام پرستی میں جھوٹے خداؤں کی شان ظاہر کرنے کے لیے شَفِیْعٌ کا استعمال بکثرت کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں اور اس کے پاس ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔

مسلمانوں کے ہاں سفارش یا شفاعت کا یہ تصور دور ملوکیت میں پروان چڑھا۔ ملوک کی دربار میں سفارش کرنے والے مصاحب موجود ہوتے تھے اور ان کی سفارش پر مجرمین کو معافی مل جاتی تھی۔ اس طرح کمزور عقیدہ و عمل کے لوگوں کے لیے ایسی ہی سفارش پر قیامت کے دن گناہوں کے جرم سے معافی کا راستہ روایات کے ذریعے نکالا گیا۔ اس عقیدہ کو عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ نے بھی تقویت دی۔ عوام میں جب عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی طرف سے ان کے ماننے والوں کے گناہوں کا کفارہ حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر چڑھ جانے سے منسوب کیا اور کہا کہ اس طرح حضرت عیسیٰؑ نے ان کو جہنم میں جانے سے بچا لیا ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم میں اس قسم کے عقیدہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ فرمایا گیا:

لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (البقرہ: ۴۸)

”کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کسی کام نہیں آسکے گا۔ نہ ہی کسی کی کسی کے لیے شفاعت (سفارش) قبول کی جائے گی نہ ہی کسی سے اس کے گناہوں کا معاوضہ لیکر اسے چھوڑ دیا جائے گا، اور نہ ہی مجرمین کی کوئی مدد کر سکے گا۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ (الانعام: ۷۰)

"اور قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی انسان اپنی بد عملی کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیا جائے (کیونکہ اگر چھوڑ دیا گیا تو) اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا حمایتی ہو گا یا شفیع مدد گار۔"

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۭ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (السجدہ: ۴)

"اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دنوں (ادوار) میں پھر وہ عرش (اقتدار اعلیٰ) پر متمکن ہوا۔ اس کے سوا نہ تمہارے لیے کوئی کارساز ہے نہ شفیع مدد گار۔ کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔"

یعنی اللہ ہی "ولی" ہے اور اللہ ہی "شفیع" ہے، اللہ ہی ساتھی، مدد گار، ناصر، کارساز اور حاجت روا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مشرکین اللہ کے سوا اوروں کو بھی اپنا "شفیع" جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی شخص کوئی جن وانس حقیقی معنوں میں "شفیع" یعنی مدد گار نہیں ہو سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (یونس: ۱۸)

"اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفعہ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے شفیع، ہماری مدد کرنے والے ہیں۔ کہہ دو: کیا تم ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اس کو معلوم نہیں، نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟ پاک اور بلند ہے وہ ذات ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔"

قرآن حکیم کی یہ آیت اس کی مزید تشریح کرتی ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾
قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

(الزمر: ۴۳-۴۴)

"کیا انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو شفیع سمجھ رکھا ہے؟ کہو! اگرچہ یہ نہ کچھ اختیار رکھتے ہوں نہ کچھ سمجھتے ہوں! کہہ دو کہ شفاعت (حاجت روائی) کا کل اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔ اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔"

اس آیت میں شفیع کا لفظ لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا اور لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کے حوالہ سے استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا واضح مقصد یہی بیان کرنا ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی صاحبِ اختیار و اقتدار ہے اور نہ اس کی طرح کوئی حاجت روا اور مشکل کشا!"

اللہ تعالیٰ نے مشرکین و کفار کا ان کے اصنام کے شفیع ہونے کے دعویٰ کو قرآن حکیم میں کئی مقامات پر رد کیا ہے۔ المومن کی آیت ۱۸، الانعام کی آیت ۹۴، الاعراف کی آیت ۵۳، الشعراء کی آیت ۹۹ سے ۱۰۱، الروم کی آیت ۱۲-۱۳ میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ ان تمام آیات میں شَفِيْعٌ کا لفظ اپنے اصل معانی یعنی معین و مددگار اور حاجت روا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اور کم از کم ان آیات کی حد تک اس لفظ سے "سفارش" کا مفہوم نکالنا قرآنی اسلوب کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے خود اپنی ذات کو "شفیع" قرار دیا ہے اور جھوٹے الٰہوں اور معبودوں کو "شفیع" یعنی مددگار یا کارساز ماننے والوں کی تکذیب کی ہے۔

شفاعت کا لفظ قرآن حکیم میں دوسری معنی میں انسانوں کے لیے نیکی کے کام میں ایک دوسرے کے مددگار ہونے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک

قانون بیان کیا ہے اس سے شفاعت کا مفہوم واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ (النساء: ۸۵)

"جو انسان دوسرے انسان کے ساتھ نیکی کے کام میں ملتا اور مدد گار ہوتا ہے تو اسے اس کام کے (اجر و نتائج) میں حصہ ملے گا۔ اور جو کوئی برائی میں دوسرے کے ساتھ ملتا اور مدد گار ہوتا ہے تو اس کے لیے اس برائی میں حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز کا محافظ اور نگران ہے (وہ ہر حالت میں اور ہر عمل کے مطابق بدلا دیتا ہے۔)"

قرآن حکیم صرف اپنے مفاد کی انفرادی زندگی جینے کے بجائے مفاد عامہ کی اجتماعی زندگی جینا سکھاتا ہے کیونکہ فرد قائم ربط ملت سے ہوتا ہے تنہا کچھ نہیں۔ اس لیے اجتماعیت اسلام کا خاصہ ہے۔ اجتماعیت سے ہی فرد کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ وہ معاشرے کا ایک کارآمد پرزہ بن کر اعلیٰ معاشرہ کی تشکیل میں حصہ ادا کرتا ہے تو اس کی ذات کی بالیدگی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے جماعت مومنین کا ہر فرد دوسرے کا شَفِيْعٌ (ساتھ کھڑا ہونے والا) ہوتا ہے۔ یعنی اس کی معاونت کے لیے ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ ساتھ سادہ تعاون نہیں ہوتا۔ کیونکہ تعاون میں ایک دوسرے کی مدد کرنا مقصود ہوتا ہے، لیکن شفاعت میں ایک شخص دوسرے شخص کی مدد کے لیے اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک جماعت بندی وجود میں آجاتی ہے۔ اس کو قرآن حکیم نے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ (الفتح: ۲۹) "یعنی محمد کریم (ﷺ) اور جو اس کے ساتھ (جماعت) ہیں۔" کی صورت میں بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم نے اس شفاعت کے ذریعہ اجتماعیت کا ایک عظیم قدر طاقتور کیا ہے۔ قوموں کی زندگی میں ایسی اجتماعیت جس میں پارٹی ڈسپلن ہو اور اس کے ارکان ڈسپلن کے ساتھ اعلیٰ انسانی معاشرہ کی تشکیل میں سرگرم ہوں تو اس کو آج کے دور کی

اصطلاح میں انقلابی پارٹی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے توحید کے اعلیٰ انسانی فکر پر یہ جماعت تشکیل دی تھی۔ جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۳﴾ (الانفال: ۶۳)

"اگر تم زمین کا سارا خزانہ بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان بکھرے ہوئے دلوں کو محبت و اتحاد کے ساتھ نہیں جوڑ سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ جس نے متفرق دلوں کو اکٹھا کر دیا۔"

پیغمبر ﷺ کے ذریعے یہ وحدت عظمیٰ توحید کے اعلیٰ انسانی فکر پر قائم ہوئی تھی جس نے انقلابی پارٹی کو جنم دیا۔ جماعت مومنین کو جب وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا (آل عمران: ۱۰۳) کا حکم ہوا تو اعتصام کے بنیادی معنی بھی پکڑ لینا، تھام لینا، اور ساتھ لگے رہنا ہیں۔ انسانی وحدت کے یہ سارے کام ایک پارٹی نظم میں ہوتے ہیں اور وہ پارٹی یا جماعت جو قوانین خداوندی کو مضبوطی سے تھام لے اس کو صراط مستقیم کی راہ مل گئی۔

وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ (آل عمران: ۱۰۱)

"جس نے قوانین خداوندی کو مضبوطی سے تھام لیا اسے زندگی کی متوازن راہ کی طرف رہنمائی مل گئی۔"

ان دو قسموں کی مددگاری اور ساتھ کھڑا ہونے کی معناؤں کے علاوہ تیسری معنی سفارش ہے لیکن قرآن حکیم نے ہر ایسی سفارش کی نفی کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کی شفاعت کے معنی میں آتی ہے۔ قرآن حکیم نے قطعی طور پر بتادیا ہے کہ اس دن کوئی کسی کے کام نہیں آسکے گا۔ جب قرآن حکیم میں صاف کہا گیا ہے کہ قانون مکافات کے رو سے

لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (البقرہ: ۴۸)

"کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے کسی کام نہیں آ سکے گا۔ نہ ہی کسی کی کسی کے لیے شفاعت (سفارش) قبول کی جائے گی نہ ہی کسی سے اس کے گناہوں کا معاوضہ لیکر اسے چھوڑ دیا جائے گا، اور نہ ہی مجرمین کی کوئی مدد کر سکے گا۔" تو دوسروں کی سفارش کی مزید گنجائش کہاں سے نکالی جاتی ہے۔

شفاعت (بمعنی اللہ کے سوا دوسروں کی سفارش) کے عقیدے کی تائید میں قرآن حکیم کی اس قسم آیات پیش کر دی جاتی ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں آیت ۲۵۵ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ جس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفارش کی جا سکے گی اور یہ سفارش قبول بھی ہو جائے گی۔ اسی سورۃ کی ما قبل آیت ۲۵۴ میں ہی اس دعویٰ کی تردید شدت کے ساتھ موجود ہے جو اس طرح ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَ لَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

"مسلمانو! ہم نے مال و متاع دنیا میں سے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے اسے (صرف اپنے نفس کے آرام و راحت ہی پر نہیں بلکہ راہ حق میں بھی) خرچ کرو اور ہاتھ نہ روکو قبل اس کے کہ (زندگی کی عارضی مہلت ختم ہو جائے اور) آنے والا دن سامنے آجائے۔ اس دن نہ تو (دنیا کی طرح) خرید و فروخت ہو سکے گی (کہ قیمت دے کر نجات خرید لو) نہ کسی کی یاری کام آئے گی (کہ اس کے سہارے گناہ بخشوا لو) نہ ایسا ہی ہو سکے گا کہ کسی کی سعی و سفارش سے کام نکال لیا جائے (اس دن صرف عمل ہی نجات دلا سکے گا)۔ اور (یاد رکھو!) جو لوگ (اس حقیقت سے) منکر ہیں تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو (اپنے ہاتھوں) اپنا نقصان کرنے والے ہیں۔"

اب اس کی اگلی آیت میں مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ کا مطلب اگر یہ لیا جائے اللہ تعالیٰ کی

اجازت سے سفارش کی جاسکے گی اور یہ سفارش قبول بھی ہو جائے گی تو ان دونوں آیات میں کھلا ہوا تضاد پایا جائے گا۔ اللہ کی کتاب تضادات کا مجموعہ نہیں۔ اس لیے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ کا مطلب اس کے تدبیر امر کے سیاق وسباق کے مطابق "کون ہے جو اس کا اذن لیے بغیر (اس کے کاموں میں) اس کا شفیع بن جائے۔" ہی لیا جائے گا۔ اس طرح شفاعت کا عقیدہ قانون مکافات کے بھی خلاف ہے جو قرآن حکیم میں شروع سے آخر تک مسلسل بیان ہو رہا ہے۔

عمل صالح اور عمل سیئہ کی ساری عمارت قرآن حکیم نے قانون مکافات کے بنیاد پر رکھی ہے۔ اب اگر ان بنیادوں کو ہی ہلا دیا جائے تو عمارت کی حالت کیا بنے گی۔ اور پھر قانون مکافات کے ساتھ شفاعت (بمعنی سفارش) کا عقیدہ بھی اسی قرآن حکیم میں موجود ہو تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ قرآن حکیم میں (معاذ اللہ) متضاد عقائد دیے گئے ہیں۔

قرآن حکیم نے سفارش والی شفاعت کے بدلہ ایک اور خبر شہادت کی دی ہے جس کے لیے فرمایا ہے کہ

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَا ذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ (المائدہ: ۱۰۹)

"جس دن اللہ رسولوں کو جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہاری دعوت کا جواب کس طرح دیا گیا تھا؟

وَ یَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ (النحل: ۸۹)

"اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) کھڑا کریں گے جو انہی میں سے ہو گا (اور جو بتلائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لیے گواہ بنائیں گے۔"

اسی طرح حضرت عیسیٰؑ قیامت کے دن یہ شہادت دیں گے کہ:

وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ (المائدہ: ۱۱۷)

"جب تک میں اپنی قوم میں موجود تھا ان کا نگران حال تھا۔"

یہ نبوت کی بھاری ذمہ داری کی شہادت ہے اور یہ شہادت قیامت کے دن بھی اپنی امتوں کے متعلق رسول دیں گے۔ رسولوں کے علاوہ (ملائکہ) کائناتی قوتیں بھی اس طرح بلائی جائیں گی

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝ (النبا: ۳۸)

"جس دن الروح اور ملائکہ صف باندھے کھڑے ہونگے اور کوئی بات نہیں کر سکیں گے سوائے اس کے جسے رحمان اجازت دے اور وہ درست بات کہے۔"

لہٰذا اس طرح کی آیات میں پیغمبروں کی شفاعت بمعنی شہادت ہے۔ اس لیے کہ کسی کے حق میں سچی شہادت دینا بھی اس کی بہت بڑی مدد ہوتی ہے۔ اور یہ شہادت نیکوکاروں کے حق میں ہوگی۔ اس کی وضاحت خود قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کر دی ہے:

وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ (الزخرف: ۸۶)

"جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس کا اختیار وہ رکھتا ہے جو حق کے ساتھ شہادت دیتا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے رسول اللہ ﷺ کو شَهِيْدٌ تو کہا ہے شَفِيْعٌ کہیں نہیں کہا۔ اس طرح ہر امت کا رسول اپنے امتیوں پر اور رسول اللہ ﷺ اپنے امتیوں پر اور پھر بعد کے آنے والے شہداء اپنے اپنے دور کے لوگوں پر بطور اعلان حق / شَهِدَ بِالْحَقِّ کرنے والے پیش کیے جائیں گے۔ یہ اعلان حق اس بات کا ہوگا کہ ہم نے اپنے اپنے دور کے لوگوں کو اللہ کا پیغام پوری طرح سنا دیا۔ جن لوگوں نے ان کے پیغام کا

انکار کیا ہو گا یا مان کر احکامات الٰہی کا انکار کیا ہو گا تو وہ "کافرین" اور "مذنبین" کھلائیں گے تو انبیاء اور شہداء کا یہ شہادت اور اعلان حق ان کافروں اور گنہگاروں کے خلاف جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے شفاعت کے باب میں اپنے علم کا احاطہ کا ذکر بار بار کیا ہے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ (البقرہ: ۲۵۵)

"جو کچھ انسان کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ پیچھے ہے وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ انسان اس کے علم سے کسی بات کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ جتنی بات کا علم وہ انسان کو دینا چاہے اور دے دے۔"

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَ هُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الانبیاء: ۲۸)

"جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (یعنی ان کا ماضی بھی اور مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے۔ ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوالیں مگر ہاں جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے۔ اور وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں!"

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾ (طٰہٰ: ۱۰۹-۱۱۰)

"اس دن سفارشیں کچھ کام نہ دیں گی۔ مگر ہاں! جس کو خدائے رحمان اجازت دے اور اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے۔ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے گزر چکا سب کا وہ علم رکھتا ہے، مگر انسان اپنے علم سے اس پر چھا نہیں سکتا۔"

ان آیات میں یہ حقیقت واضح بتائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کے بارے

میں زبان کھولنے کی جسارت تو وہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی معلومات میں کچھ اضافہ کر سکتا ہو اور یہ کہنے کی پوزیشن میں ہو کہ فلاں کے بارے میں نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کو پوری آگاہی نہیں ہے اور اُسے ہے۔ لیکن یہ حیثیت کسی کی ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کے آگے اور پیچھے اور اس کے ماضی و مستقبل ہر چیز سے باخبر ہے اللہ تعالیٰ کے علم کی یہ وسعت اور دوسروں کے علم کی یہ محدودیت تصور شفاعت کا بالکل خاتمہ کر دیتی ہے۔

اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی یاوَ رَضِیَ لَہٗ قَوْلًا کا استثنا پیغمبروں اور شہداء کی اس شہادت کے لیے ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے لیے ہو گی جو وَ ھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ جو اس کی خشیت سے ڈرتے ہونگے۔

سورۃ الانعام کی یہ آیت مجرموں کی شفاعت کے مسئلہ پر مزید غور و فکر کی دعوت دیتی ہے۔

وَ اَنْذِرْ بِہِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ لَیْسَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّھُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ (آیت: ۵۱)

”اور تم اسی کے ذریعہ سے خبر دار کرو ان لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں اس بات کا کہ وہ اپنے رب کے پاس اکھٹے کیے جائیں گے اس حال میں کہ اس کے سامنے نہ ان کا کوئی حامی ہو گا نہ شفیع، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔“

اب قرآن حکیم ایک طرف رسولِ امین ﷺ کو ان لوگوں کے لیے کہ جو لوگ آخرت کا خوف بھی رکھتے ہوں، اس بنیاد پر ان کو انذار کا حکم دیں کہ ان کے لیے مددگاری اور شفاعت کا کوئی آسرا نہیں ہے اور دوسری طرف ان کی شفاعت کے لیے کچھ آیات میں آسرے اور گمان پیدا کرتا ہو تو یہ دوئی قرآن حکیم جیسی محکم کتاب کے لیے قطعی طور پر ممکن نہیں ہے۔

دوسرے مذاہب کے لوگ جو اپنے غیر خداؤں میں شفاعت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان

کے متعلق متعدد مقامات پر کہہ دیا کہ

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿۴۸﴾ (المدثر: ۴۸)

"انہیں ان کے سفارشیوں کی سفارش کچھ کام نہیں دے سکتی۔"

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ (المؤمن: ۱۸)

"اس دن ظالموں کا نہ کوئی ہمدرد ہو گا نہ کوئی شفیع مدد گار جس کی اطاعت کی جائے۔"

بالکل اسی طرح ایمان کے مطابق عملی زندگی نہ گذارنے والوں کے لیے بھی نجات کی بنیاد عملوا الصالحات ہی ہونگے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ

وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الفاطر: ۱۸)

"کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔"

اللہ تعالیٰ جنت کا وارث صرف اور صرف اعمال کی بنیاد پر بناتا ہے اور قرآن حکیم میں اس نے حتمی ارشاد فرمادیا ہے:

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الاعراف: ۴۳)

"یہ ہے جنت جو تمہارے ورثہ میں آئی، ان نیک کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو۔"

یہ شہادت کے فرمان قرآن حکیم میں جابجا ملتے ہیں لیکن اس کے برعکس قرآن حکیم میں یہ کہیں بھی نہیں بتایا گیا ہے کہ اس اس درجہ کے لوگوں کو شفاعت کے ذریعہ سے جنت میں داخلہ ملے گا۔ روایات میں شفاعت کا جو ذکر ہے اس کا اطلاق بھی شفاعت بمعنی شہادت سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ ظنّی ہے۔

❖❖